ISSN 1992-5018

ISLAMABAD LAW REVIEW

Quarterly Research Journal of Faculty of Shariah& Law, International Islamic University, Islamabad

Volume 2, Number 3&4, Autumn/Winter 2018

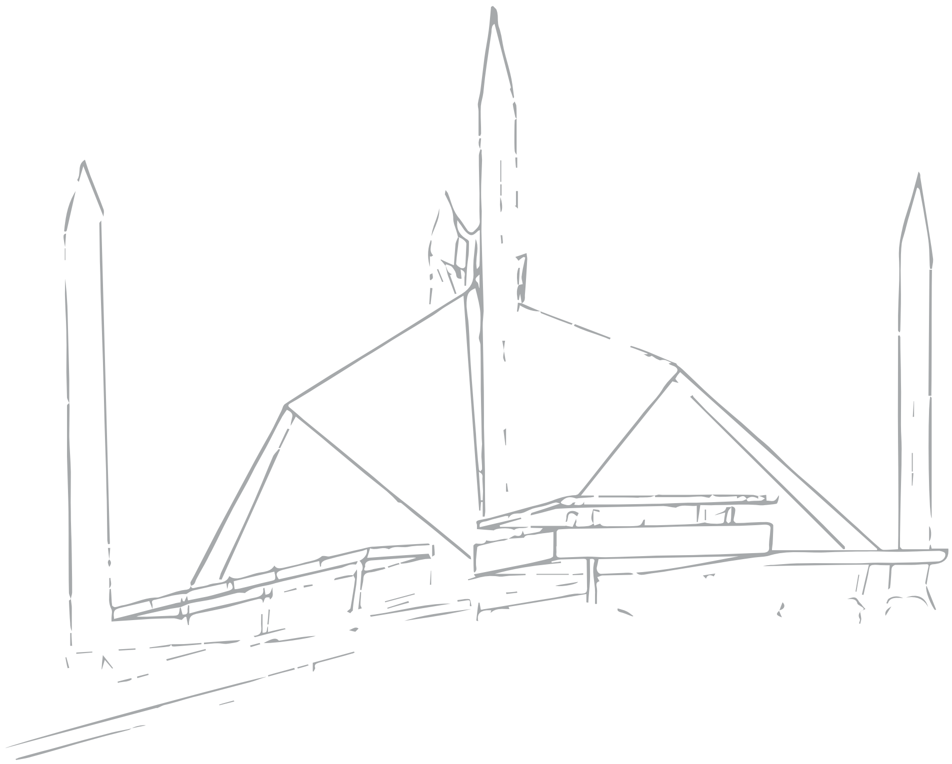

نکاح سے متعلق رائج الوقت قوانین میں ترامیم کے حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا تجزیاتی مطالعہ

Reviewing the Reoforms of the Council of Islamic Idealogy concerning existing laws of Mariage

ذیشان سرور *

Abstract

Council of Islamic Ideology is a constitutional body and the purpose of its establishment is to advise the legislature about the laws that are incompatible with the Holy Qur'ān and the Sunnah. In this research paper, attempts are made to discuss the role of Council of Islamic Ideology in making amendments in different laws in respect to Nikāḥ and other relevant issues. In this regard, a brief introduction of Council of Islamic Ideology itself and a profound discussion will be made on the amendments regarding various laws, i.e., Muslim family laws 1961, The marriage Registration Act, 1886, Child Marriage Restraint Act, 1929, Dowry and Bridal Gifts, Act 1976, The Marriage Dissolution Act 1939. Apart from this, different bills that were presented in the parliament would be part of this discussion. In short, this research paper will cover all the amendments that were made from 1962 to 2014 about Nikāḥ and other related issues to it.

Keywords: Council of Islamic Idealogy, Reforms, *Nikāḥ*, Islamic law.

تعارف

اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے جو آئین کی دفعہ ۲۲۸ کے تحت وجود میں آیا جس کے فرائض منصبی میں ملکی قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے اور مسلمانان پاکستان کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر دینی رہنمائی دینا شامل ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اب تک کئی ملکی قوانین پر نظر ثانی کر کے اپنی سفارشات مرتب کی ہیں۔ کونسل نے نکاح سے متعلق مختلف مسائل کے حوالے سے رائج الوقت قوانین اور پارلیمان میں زیر بحث قانونی بلوں کو

* مدیر مجلہ ''اجتہاد''، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد۔

زیر بحث لاکر ترامیم تجویز کیں۔ان مسائل میں کم عمری کی شادی، نکاح نامے میں طبّی معاینے کے حوالے سے ترامیم، تعدد ازواج، خلع کی صورت میں حق مہر، نکاح کی رجسٹریشن اور جہیز و تحائف عروسی کے حوالے سے مسائل قابل ذکر ہیں۔کونسل نے مذکورہ مسائل کے حوالے سے مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء، قانون پابندی نکاح صغار ۱۹۲۹ء، فیملی کورٹس ۱۹۶۴ء اور جہیز و تحائف دلہن (پابندی) ایکٹ ۱۹۷۶ء پر نظر ثانی کرتے ہوئے مختلف ادوار میں سفارشات مرتب کی ہیں۔

زیر نظر مقالے میں نکاح سے متعلق مسائل کے حوالے سے ۱۹۶۲ء سے لیکر ۲۰۱۷ء تک کی سفارشات کا موضوعاتی ترتیب کے ساتھ تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا۔اور اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ نکاح سے متعلق رائج الوقت قوانین اور زیر بحث قانونی بلوں پر غور کرتے ہوئے کونسل نے کیا ترامیم پیش کیں۔کن دلائل کو مد نظر رکھا، اختلافی آراء کی صورت میں تطبیق کی کیا صورتیں مد نظر رکھیں۔اور کن فیصلوں کے حوالے سے کونسل نے سابقہ کونسلوں کے فیصلوں سے اتفاق یا اختلاف کیا اور ان کے دلائل کیا تھے۔اور مختلف کونسلوں کی سفارشات میں اختلاف کی صورت میں کن سفارشات کو عصر حاضر کے تناظر میں ترجیح دی جائے۔

۱- نابالغ کے نکاح کے حوالے سے سفارشات

نابالغ بچہ / بچی کا نکاح پاکستان کے رائج الوقت قوانین مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء اور قانون پابندی صنعار ۱۹۲۹ء کے مطابق ممنوع ہے اور مسلم عائلی قوانین میں نکاح کے لیے کم از کم لڑکے کے لیے ۱۸ اور لڑکی کے لیے ۱۶ سال مقرر کی ہے۔کونسل نے اپنے مختلف ادوار میں ملک کے رائج الوقت قوانین پر نظر ثانی اور مختلف استفسارات کے جواب میں نابالغ کے نکاح کے حوالے سے سفارشات مرتب کی ہیں۔ سب سے پہلے جسٹس تنزیل الرحمٰن کے دور مسند نشینی میں کونسل کو سی ایم ایل اے سیکرٹریٹ کا مراسلہ نومبر ۱۹۷۹ء اسلامی نظریاتی کونسل موصول ہوا۔جس میں بالغ مرد اور عورتوں کے نکاح کی عمر کے تعین کے مسئلہ کے حوالے سے استفسار کیا گیا تھا۔[(1)] استفسار پر کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹ اگست ۱۹۸۰ء کو درج ذیل فیصلہ دیا:

> ”عائلی قوانین کے آرڈیننس کے تحت شادی کے لیے کم از کم عمر لڑکے کے لیے ۱۸ سال اور لڑکیوں کے لیے ۱۶ سال مقرر کر دی گئی ہے لہٰذا اس میں مزید ترمیم کی ضرورت نہیں ہے، کونسل شادی کے لیے زیادہ سے زیادہ عمر کی قید ضروری نہیں سمجھتی۔“[(2)]

مذکورہ بالا سفارش میں کونسل نے نکاح کی عمر کے حوالے سے رائج الوقت قانون کی تائید کی جس کے مطابق

---

(1) اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد سالانہ رپورٹ ۸۱- ۱۹۸۰، ص:۱۳۸، سن اشاعت مئی ۱۹۸۱ء۔

(2) ایضاً، ص:۱۳۹۔

نکاح کے لیے بلوغت لازمی ہے۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے دور میں قانون پابندی نکاح صغار ۱۹۲۹ء کے قانون کو کونسل کے اجلاس مؤرخہ ۱۳ فروری ۱۹۸۳ء کو زیر غور لایا گیا۔ اجلاس میں عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے بارے میں کونسل کی سابقہ ترامیم بھی زیر غور آئیں اور نکاح کے حوالے سے قانونی اور شرعی سن بلوغ کو بھی زیر غور لایا گیا۔(3) کونسل نے بالاتفاق حسب ذیل سفارش منظور کی:

''مسئلہ زیر غور کے بارے میں کونسل اس سے پہلے ایک سفارش کر چکی ہے۔ اگر حکومت کے لیے سابقہ سفارش قابل قبول نہ ہو تو یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی شرعاً بالغ ہو جائیں تو قانون کے تحت مقرر کردہ عمر کو پہنچنے سے پہلے ان کو بلدیاتی کونسل کے چیئرمین سے اجازت حاصل کر کے نکاح کی اجازت ہونی چاہیے۔''(4)

مذکورہ سفارش میں کونسل نے نکاح کے لیے شرعی بلوغت کو معیار بنایا البتہ رائج الوقت قانون کی عمر نہ ہونے کی صورت میں بلدیاتی کونسل کے چیئرمین کی اجازت کو مشروط قرار دیا۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور مسند نشینی میں کونسل کے ۱۶۸ ویں اجلاس میں شادی بیاہ کی رسومات سے متعلق اخباری تراشوں پر غور کرتے ہوئے کونسل نے نابالغ کے نکاح کے حوالے سے درج ذیل سفارش کی:

کم عمر بچوں کی شادیوں کے حوالے سے یہ فیصلہ ہوا کہ اس پر پابندی نہیں لگانی چاہیے، بعض حالات میں خود بچوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے، تاہم رخصتی قانون میں متعین کردہ عمر کے مطابق ہی ہونی چاہیے اور اس موقع پر مرد و عورت دونوں کو حق دینا چاہیے کہ وہ اس نکاح کے رد و قبول کا فیصلہ کر سکیں۔(5)

مذکورہ بالا سفارش میں کونسل نے نابالغ بچوں کے نکاح کو جائز قرار دیا تاہم ان کی رخصتی کو رائج قانون کی متعین کردہ عمر سے مشروط کر دیا۔ مولانا محمد خان شیرانی کے دور مسند نشینی میں وزارت مذہبی امور اسلام آباد نے اپنے مراسلہ مؤرخہ ۲۷ فروری ۲۰۱۲ء میں بچوں (کم عمر افراد) کی شادی کے امتناع کا ترمیمی بل ۲۰۰۹ء کونسل کو رائے کے لیے ارسال کیا۔(6)

کونسل کے ۱۸۹ ویں اجلاس میں اصل ایکٹ ۱۹۲۹ء اور ترمیمی بل ۲۰۰۹ء کی دفعات ۳، ۴، جن میں قرار دیا گیا ہے کہ کم عمر افراد کی شادی قابل تعزیر و قابل دست اندازی پولیس جرم ہے اور اس جرم میں مختلف سزائیں بھی مقرر کیے گئے ہیں، زیر غور آئیں۔(7) نیز شعبہ ریسرچ کی رائے بھی زیر غور آئی جس کے مطابق قرآن و سنت، اجماع امت، تعامل اور فقہا کی تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نابالغ/نابالغہ کا نکاح شرعی لحاظ سے

---

(3) اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین ص: ۱۷، سن اشاعت اپریل ۱۹۸۳ء۔

(4) دسویں رپورٹ مسلم عائلی قوانین، ص ۱۷۔

(5) سالانہ رپورٹ ۰۸-۲۰۰۷، ص: ۸۷، سن اشاعت اگست ۲۰۰۸ء۔

(6) سالانہ رپورٹ ۱۳-۲۰۱۲، ص: ۳۹، سن اشاعت اکتوبر ۲۰۱۴ء۔

(7) ایضاً، ص: ۳۹-۴۰

درست ہے، اس کے خلاف قانون سازی بالکل ناقابل اعتبار ہے۔[8] اراکین کونسل نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ کم عمر افراد کی شادی صحیح ہونے اور نکاح منعقد ہونے میں از روئے شریعت کوئی قباحت اور ممانعت نہیں، اس لیے اس کو جرم قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ نیز کونسل نے امتناع ازدواج اطفال ترمیمی بل ۲۰۰۹ء کو مجموعی لحاظ سے غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیا۔[9]

درج بالا آرا کی روشنی میں کونسل نے نابالغ کے نکاح کے حوالے سے درج ذیل سفارش کی:

''امتناع ازدواج اطفال ترمیمی بل ۲۰۰۹ء مجموعی لحاظ سے غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے۔ قرآن وسنت، اجماع امت اور فقہائے کرام کی تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نابالغ/نابالغہ کا نکاح شرعی لحاظ سے درست ہے اس کے خلاف قانون سازی بالکل ناقابل اعتبار ہے اور ایسی قانون سازی کہ جس میں کم عمر افراد کی شادی کو ممنوع اور قابل تعزیر جرم بھی قرار دیا گیا ہے، ایسی جسارت ہے کہ اس میں توہین رسالت کے ارتکاب کا شدید اندیشہ ہے کیونکہ خود سرور دو عالم نبی کریمؐ نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے جب عقد فرمایا تو ان کی عمر صرف چھ سال تھی؛ لہٰذا اس قانون کی رو سے یہ عمل مبارک بھی ''العیاذ باللہ'' جرم کے زمرے میں آجائے گا جو کہ مسلمہ عقیدہ عصمت انبیاء کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ توہین رسالت کو بھی مستلزم ہوگا۔''[10]

نابالغ کے نکاح کے مسئلہ کو مولانا محمد خان شیرانی کے دور مسند نشینی میں پھر غور و خورض میں لایا گیا۔ کونسل نے اپنے ۱۹۴ویں اجلاس میں بچوں کی شادی کی ممانعت کا ایکٹ ۱۹۲۹ء کی دفعات ۴، ۵، ۶ کو زیر بحث لایا جن میں کسی بچے کے ساتھ شادی کرنے والے بالغ مرد کے لیے سزا، بچے کی شادی انجام دینے کی سزا اور باپ اور ولی کے لیے سزا جس کا تعلق کسی بچے کی شادی سے ہو، شامل ہیں۔[11] مولانا محمد ادریس سومرو، مفتی محمد ابراہیم قادری اور علامہ محمد یوسف اعوان نے رائے دی کہ بچوں کے نکاح کے جواز میں تو شک نہیں البتہ نتائج کے لحاظ سے اس کے مضر اثرات ہو سکتے ہیں، کیونکہ پہلے ادوار میں اپنے بڑوں کے کیے ہوئے فیصلوں کا احترام ہوتا تھا اور ان کے کیے ہوئے نکاحوں کو تسلیم کیا جاتا تھا، اسی لیے آج کے دور میں یہ مسئلہ اہم اور قابل غور ہے۔ نیز آج کل بعض اوقات اولیا کا کیا ہوا نکاح بچوں کے حق میں بہتر نہیں ہوتا یا اس میں مفاسد ہوتے ہیں اس لیے شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اولیا اور بچوں دونوں کے حقوق کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔[12] بحث و تمحیص کے بعد کونسل نے درج ذیل فیصلہ دیا:

---

(8) سالانہ رپورٹ ۱۳-۲۰۱۲ء ص: ۱۹۱۔

(9) ایضاً، ص: ۴۰۔

(10) ایضاً، ص: ۹۴۔

(11) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء، ص: ۱۴۶، سن اشاعت ۲۰۱۵ء۔

(12) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء، ص: ۱۴۲-۱۴۳۔

''شرعی طور پر نابالغ بچوں کے نکاح میں کوئی قباحت نہیں البتہ قبل از بلوغ رخصتی مفاسد سے خالی نہیں ہوتی؛ اس لیے رخصتی پر قانونی پابندی عائد کرنا ضروری ہے اور اس کی خلاف ورزی پر سزا عائد کرنا بھی ضروری ہے۔''[13]

مذکورہ سفارش میں کونسل نے قبل از بلوغ رخصتی پر پابندی عائد کرتے ہوئے سزا تجویز کی۔

نابالغ کے نکاح کے حوالے سے کونسل نے رائج الوقت قوانین پر نظرثانی کرتے ہوئے کئی دفعہ اپنی سفارشات پر نظرثانی کی ہے۔ جیسے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے دور میں کونسل نے نکاح کی عمر کے حوالے سے رائج الوقت قانون کی تائید کی جس کے مطابق نکاح کی عمر لڑکے کے لیے ۱۸ اور لڑکی کے لیے ۱۶ برس ہے تاہم بعد ازاں مذکورہ دور میں کونسل نے نکاح کے لیے شرعی بلوغت کو معیار بنایا۔ البتہ رائج الوقت قانون کی عمر نہ ہونے کی صورت میں بلدیاتی کونسل کے چیئرمین کی اجازت کو مشروط قرار دیا۔ پھر ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں کونسل نے نابالغ بچوں کا نکاح جائز قرار دیا تاہم اس کی رخصتی کو رائج قانون کی متعین کردہ عمر سے مشروط کر دیا۔ پھر مولانا محمد خان شیرانی کے دور میں کونسل نے نابالغ کے نکاح کو مطلقاً جائز قرار دیا اور اس کے خلاف قانون سازی کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیا۔ تاہم قبل از بلوغ رخصتی پر پابندی عائد کرتے ہوئے سزا تجویز کی۔

فقہا کی اکثریت کے نزدیک نابالغ بچوں کا نکاح جائز ہے۔ ابن رشد **بداية المجتهد** میں لکھتے ہیں:

''وأجمعو علي أن الأب يجبر ابنه الصغير علي النكاح، وكذلك ابنته الصغيرة البكر''[14]

فقہا کا اتفاق ہے کہ باپ اپنے نابالغ لڑکے اور نابالغ کنواری لڑکی پر نکاح کا جبر کر سکتا ہے۔

فقہا کے ایک قلیل گروہ کے نزدیک نابالغ بچہ/بچی کا نکاح جائز نہیں ہے۔ **المسبوط** میں امام سرخسی لکھتے ہیں:

''يقول ابن شبرمة و أبوبكر الأصم: إنه لا يتزوج الصغير والصغيرة حتي يبلغا لقوله تعالي ﴿حتي إذا بلغو النكاح﴾. فلو جاز التزويج قبل البلوغ لم يكن لهذا فائدة''[15]

ابن شبرمہ اور ابو بکر الاصم کی رائے ہے کہ نابالغ بچہ/بچی کا نکاح بلوغت سے پہلے نہ کیا جائے کیونکہ اگر بلوغت سے پہلے نابالغ بچہ/بچی کا نکاح جائز ہوتا تو قرآن کریم میں ﴿حتي إذا بلغو النكاح﴾ کے لفظ کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

مشہور تابعی امام جابر بن زید کے نزدیک بھی نابالغ بچہ/بچی کا نکاح جائز نہیں۔

---

(13) ایضاً، ص: ۱۸۰۔

(14) ابوالولید محمد بن احمد بن رشد الحفید القرطبی، **بداية المجتهد ونهاية المقتصد**، (قاہرہ: دار الحدیث، ۱۴۲۵ھ)، ج۳، ص ۳۴۔

(15) محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، **المبسوط**، (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۴۱۴ھ)، ج۴، ص ۲۱۲۔

"عن الإمام جابر أنه كان لا يجيز تزويج الصبيان، ويري أن تزويج النبي صلي الله عليه وسلم عائشة رضي الله عنها هو من خصوصياته"[16]

امام جابر بن زید نابالغ بچوں کے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے تھے۔ اور ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا سیدہ عائشہؓ سے نکاح رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

راقم کی رائے میں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے دور کی رائے جس میں نکاح کے لیے شرعی بلوغت کو معیار اور رائج الوقت قانون کی عمر نہ ہونے کی صورت میں بلدیاتی کونسل کے چیئرمین کی اجازت کو مشروط قرار دیا گیا ہے، مناسب ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قبل از بلوغ شادیوں کے نتیجے میں مفاسد کا تدارک ہوگا۔ جمہور فقہا کے نزدیک قبل از بلوغ نکاح جائز اور مباح ہے لیکن ضروری اور فرض نہیں لہٰذا موجودہ میں قبل از بلوغ شادیوں کی ضرورت نہیں۔

۲۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۱۰: حق مہر

مذکورہ سفارش کونسل نے اپنے ۱۹۴ویں اجلاس مؤرخہ ۱۰- ۱۱، مارچ ۲۰۱۴ء کو مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء پر بحث کرتے ہوئے مذکورہ قانون کی دفعہ ۱۰ حق مہر کے حوالے سے مرتب کی، دفعہ ۱۰ حق مہر کا متن حسب ذیل ہے:

"اگر نکاح نامہ یا معاہدہ شادی میں حق مہر کی ادائیگی کے طریق کار کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہ ہو تو حق مہر کی کل رقم کے بارے میں یہ تصور ہوگا کہ وہ عند المطالبہ قابل ادا ہے۔"[17]

درج بالا دفعہ پر شعبہ ریسرچ نے درج ذیل رائے دی:

بوقت نکاح اگر مہر کا معجل یا مؤجل ہونا مذکور نہ ہو تو اس بارے میں حضرات فقہا کرام نے دو روایتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ ایک روایت کے مطابق درج بالا صورت میں مہر معجل ہوگا، اس کی دلیل بدائع الصنائع میں ہے:

" هذا اذا كان المهر معجلاً فان تزوجها على صداق عاجل أوكان مسكوتاً عن العجيل والتاجيل، لأن حكم المسكوت حكم المعجل، لأن هذا عقد معاوضة، فيقتضى المساواة من الجانبين والمرأة عينت حق الزوج فيجب أن يعيين الزوج حقها"[18]

---

(16) یحییٰ محمد بکوش، **فقه الإمام جابر بن زيد**، (بیروت: دار الغرب الاسلامی، بیروت لبنان، ۱۴۰۷ھ)، ص ۱۷۔۳

(17) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص: ۱۳۰۔

(18) علاؤالدین ابو بکر بن مسعود بن احمد کاسانی، **بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع**، (بیروت: دار الکتب العربی، س۔ن)، ۲:

ترجمہ: یہ حکم اس وقت ہے جبکہ مہر معجل ہو کہ خاوند نے مہر عاجل پر شادی کی ہو یا تعجیل وتاجیل سے خاموشی اختیار کی ہو، اس لیے کہ سکوت کا حکم معجل والا ہے، کیونکہ یہ ایک عقد معاوضہ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف سے مساوات ہو اور عورت نے خاوند کا حق متعین کر دیا ہے تو خاوند کے ذمہ واجب ہے کہ وہ عورت کا حق متعین کرے۔

۲۔ دوسری روایت کے مطابق مذکورہ صورت میں مہر عرف کے مطابق ہو گا یعنی اگر عرف میں معجل سمجھا جاتا ہے تو معجل ہو گا اور اگر مؤجل سمجھا جاتا ہے تو مؤجل ہو گا اور یہی روایت مفتی بہ ہے۔ اس لیے ہر علاقے کے عرف کے مطابق عمل کیا جائے۔[19]

جیسا کہ **البحر الرائق** میں ہے:

"و اما على المفتى به فالمعتبر فى المسكوت عنه العرف۔"[20]

ترجمہ: اور مفتی بہ روایت کے مطابق مسکوت عنہ میں عرف کا اعتبار ہے۔

رکن علامہ سید افتخار حسین نقوی نے تحریری رائے دی کہ دفعہ ۱۰ جو کہ مہر سے متعلق ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ مہر بیوی کا کلی طور پر عند الطلب بجانب خاوند واجب الادا قرض ہے۔[21] چیئرمین کونسل مولانا محمد خان شیرانی نے رائے دی کہ شعبہ ریسرچ کی رائے کے مطابق اگر مہر کا معجل یا مؤجل ہونا مذکور نہ ہو تو عرف کا اعتبار ہو گا، لیکن پورے ملک کا عرف ایک نہیں ہوتا اس لیے مناسب ہو گا کہ اس کو بیوی کے مطالبہ پر چھوڑ دیا جائے تاکہ جب وہ مطالبہ کرے تو دینا لازم ہو۔[22] رکن مفتی محمد ابراہیم قادری نے رائے دی کہ معجل اور مؤجل کی صراحت نہ ہو تو مہر مؤخر متصور ہو گا اور مہر مؤخر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی جب تک کہ موت واقع نہ ہو۔[23] جیسا کہ **ردالمحتار** میں لکھا ہے:

"لو مات زوج المرأة أو طلقها بعد عشرين سنة مثلا من وقت النكاح ، فلها طلب مؤخر المهر ؛ لأن حق طلبه إنما يثبت لها بعد الموت أو الطلاق ، لا من وقت النكاح."[24]

رکن مولانا محمد حنیف جالندھری نے رائے دی کہ مؤخر والی صورت اختیار کرنے سے مسائل پیدا ہوں گے

۔۸۸

(19) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص: ۱۳۰۔

(20) زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابن نجیم المصری، **البحر الرئق شرح کنز الدقائق**، (بیروت: دار المعرفۃ)، ۳: ۱۹۳۔

(21) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص: ۱۳۰۔

(22) ایضاً، ص: ۱۳۰۔

(23) ایضاً، ص ۱۳۰-۱۳۱۔

(24) محمد امین بن عمر بن عابدین، **رد المحتار علی الدر المختار**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲)، ۵: ۲۲۱۔

اور معاملہ مشکل ہوگا لہٰذا مناسب یہ ہے کہ زیر بحث صورت میں وہ قول اختیار کیا جائے جس میں عورتوں کے لیے آسانی ہو اور وہ اس طرح ہے کہ اس صورت میں معجل کا کہا جائے گا ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے اس کو مؤخر کر دے یا مطالبہ نہ کرے تو اس کو اختیار ہے۔[25] جسٹس (ر) نذیر اختر نے رائے دی کہ مہر معجل ہی ہونا چاہیے اور یہ قرآن کی آیت ﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾[26] یعنی اپنی بیویوں کو ان کا مہر خوشی خوشی ادا کرو، کے زیادہ قریب ہے۔[27] رکن مولانا ڈاکٹر محمد ادریس سومرو نے رائے دی کہ دراصل یہ صورت ''مسکوت عنہ''[28] والی ہے کہ جس میں تعجیل وتاجیل کا ذکر نہیں ہوتا، اس صورت کے بارے میں دونوں روایتیں موجود ہیں کہ یا اس کی تعجیل پر محمول کر دیا جائے اور یا پھر عرف پر محمول کر دیا جائے۔[29] چیئرمین کونسل نے رائے دی کہ اس ساری بحث سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اقوال فقہا اور زیر بحث دفعہ میں کوئی تضاد نہیں ہے لہٰذا اس میں اگر کوئی ترمیم نہ کی جائے تو بہتر ہے۔[30] اراکین کونسل نے چیئرمین کونسل کی رائے سے اتفاق کیا اور درج ذیل فیصلہ کیا:

''دفعہ (۱۰) حق مہر میں کوئی بات قابل اعتراض یا خلاف شریعت نہیں۔ مہر کے مسکوت عنہ ہونے کی صورت میں شوہر عند الطلب ادا کرنے کا پابند ہوگا۔''[31]

کونسل نے مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۱۰ حق مہر میں غور وخوض کرتے ہوئے مذکورہ دفعہ کو شریعت کے مطابق قرار دیا جس میں ذکر ہے کہ نکاح نامہ میں حق مہر کی ادائیگی کے طریق کے متعلق کوئی تفصیل نہ ہونے کی صورت میں حق مہر کی کل رقم عند الطلب تصور ہوگی۔ کونسل نے اس سلسلے میں فقہ حنفی میں موجود دونوں دلائل کو مد نظر رکھا جس میں ایک کے مطابق تعجیل وتاجیل سے متعلق خاموشی کی صورت میں حکم معجل کا ہوگا۔ دوسرے دلائل کے مطابق مذکورہ صورت میں عرف کا اعتبار ہوگا لہٰذا کونسل نے قرار دیا کہ مہر میں تعجیل وتاجیل

---

(25) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص ۱۳۱۔
(26) النساء: ۴۔
(27) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص ۱۳۱۔
(28) وہ مہر جس میں تعجیل وتاجیل کی ادائیگی سے ذکر نہ ہو۔
(29) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص ۱۳۱۔
(30) ایضا، ص: ۱۳۱۔
(31) ایضاً، ص: ۱۷۹۔

سے متعلق خاموشی کی صورت کا حکم عند الطلب ادائیگی کا ہوگا۔ راقم کی رائے میں کونسل کی سفارش مناسب اور درست ہے اور مہر کے حوالے سے خواتین کے لیے انتہائی سہولت کا باعث ہے۔

۳۔ خلع کی صورت میں حق مہر

مذکورہ موضوع پر سفارش ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور مسند نشینی میں رائج الوقت قوانین پر (۲۰۰۶ء تا ۲۰۰۷ء) کے تناظر میں فیملی کورٹس ۱۹۶۴ء پر نظر ثانی کرتے ہوئے کی گئی۔ خلع کی صورت میں حق مہر کے معاملے کو کونسل کی لیگل کمیٹی میں زیر بحث لایا گیا اور درج ذیل فیملی کورٹس ۱۹۶۴ء کی دفعہ ۱۰ کی ذیلی دفعہ ۴ پر غور کیا گیا:

> ''اگر راضی نامہ یا مصالحت ممکن نہ ہو تو عدالت مقدمہ میں تنقیحات وضع کرے گی اور [شہادت قلمبند کرنے کے لیے] کوئی تاریخ مقرر کرے گی [مگر شرط یہ ہے کہ کسی عدالت یا ٹریبونل کے کسی فیصلے یا تجویز سے قطع نظر، اگر مصالحت ناکام ہو جائے تو عائلی عدالت تنسیخ نکاح کے دعویٰ میں فی الفور تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرے گی اور بیوی کی طرف سے نکاح کے موقع پر نکاح کے بدل میں وصول کیا گیا حق مہر بھی خاوند کو واپس دلائے گی]''۔(32)

لاء کمیٹی نے فیملی کورٹس ۱۹۶۴ء کی مذکورہ دفعہ پر غور کرتے ہوئے خلع کی صورت میں حق مہر کے حوالے سے درج ذیل فیصلہ دیا:

> ''مہر عورت کا حق ہے اسے کسی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا، تاہم عدالت اگر چاہے تو تحائف اور فوائد کے سلسلے میں مصالحت کرا سکتی ہے۔''

لا کمیٹی نے عائلی عدالتوں کے قانون مجریہ ۱۹۶۴ء کی دفعہ ۱۰ کی ذیلی دفعہ ۴ میں لفظ ''حق مہر'' کو شادی کے عوض دیئے گئے تحائف اور فوائد سے تبدیل کرنے کی تجویز سے اتفاق کیا اور اسے قانون کا حصہ بنانے کی سفارش کی اور متذکرہ بالا دفعہ کو اس سفارش کی روشنی میں ڈرافٹ کیا۔(33) کمیٹی کے فیصلے کو کونسل کے ۱۷۱ویں اجلاس میں زیر بحث لایا گیا۔ چیئرمین کونسل نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اصل مسئلہ اس وقت پیدا ہو تا کہ جب عورت خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو خاوند کہہ سکتا ہے کہ میری فلاں چیز واپس کر دو۔ پاکستان اور ہندوستان میں رواج ہے کہ خاوند کہتا ہے مہر واپس کر دو۔ مسئلہ یہ ہے کہ مہر تو عورت کا حق ہے اسے واپس نہیں کیا جا سکتا۔ تحائف میں بھی یہ ہے کہ تحفہ واپس نہیں لیا جاتا۔(34) انہوں نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ قرآن مجید میں بہت واضح ہے کہ:

---

(32) اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء نظر ثانی، سفارشات ص: ۲۴، سن اشاعت ۲۰۰۹۔

(33) سالانہ رپورٹ ۰۹-۲۰۰۸ ص: 32، سن اشاعت اگست ۲۰۰۸ء۔

(34) سالانہ رپورٹ ۰۹-۲۰۰۸، ص: 33۔

﴿أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا﴾[35]

ترجمہ: بھلا تم ناجائز طور اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لوگے ؟اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد سے عہد واثق بھی لے چکی ہیں۔

ایک دوسری جگہ ذکر ہے کہ:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾[36]

ترجمہ: اور اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ خدا کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت خاوند کے ہاتھ سے رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر گناہ نہیں۔

کونسل نے بحث کے بعد لاء کمیٹی کے فیصلہ سے اتفاق کیا اور درج ذیل فیصلہ دیا:

''مہر عورت کا حق ہے اسے کسی حالت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا، تاہم عدالت اگر چاہے تو تحائف اور فوائد کے سلسلے میں مصالحت کرا سکتی ہے، نیز عدالتی عدالتوں کے قانون مجریہ ۱۹۶۴ء کی دفعہ ۱۰ کی ذیلی دفعہ میں لفظ ''حق مہر'' کو شادی کے عوض دیئے گئے تحائف اور فوائد سے تبدیل کر کے قانون کا حصہ بنایا جائے۔''[37]

کونسل نے فیملی کورٹس ۱۹۶۴ کی دفعہ ۱۰ کو زیر بحث لاتے ہوئے مہر کو عورت کا مطلقاً حق قرار دیا ہے۔ چاہے خلع کی صورت کیوں نہ ہو نیز کونسل نے شادی بیاہ کے تحائف اور فوائد کو حق مہر کے قانون میں شامل کرنے اور عدالت کو تنازعہ کی صورت میں تحائف اور فوائد کے سلسلے میں مصالحت کرانے کی سفارشات دیں۔

راقم کی رائے میں شادی بیاہ کے تحائف اور فوائد کو مہر کے قانون کا حصہ بنانے کے حوالے سے کونسل کی سفارش مناسب اور عمدہ ہے کیونکہ ہمارے معاشرے کا عجیب چلن ہے کہ نکاح نامہ میں حق مہر کے خانے میں کم یا زیادہ رقم لکھوائی جاتی ہے جو بالعموم تمام زندگی ناقابل ادا رہتی ہے۔ اس کے برخلاف لاکھوں روپے کی جیولری اور قیمتی ملبوسات بری کے نام پر لڑکی والوں کو نکاح کی رسم سے پہلے ضروری دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس حوالے سے کونسل کی سفارش مناسب ہے۔ البتہ سفارش کا حصہ کہ ''مہر عورت کا حق ہے، اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا'' محل نظر ہے اس لیے کہ شریعت میں دو ایسی صورتیں ہیں جن میں عورت کو اپنا کچھ حق چھوڑنا پڑتا

---

(35) النساء: ۲۰-۲۱۔

(36) البقرۃ: ۲۲۹۔

(37) سالانہ رپورٹ ۰۹-۲۰۰۸، ص: ۱۷۰۔

ہے۔ پہلی صورت یہ کہ وہ کسی بدکاری کی مرتکب ہوئی ہو۔[38] اور دوسری یہ کہ وہ خلع کی طالب ہوئی ہو۔[39]

۴- نکاح نامہ میں طبّی معائنے کے حوالے سے ترمیم

یہ استفسار مراسلہ مورخہ ۲۱ اپریل ۲۰۰۹ء از محترمہ ثمینہ بشیر انچارج خواتین کیمپس، کلیہ الشریعہ والقانون بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی طرف سے موصول ہوا۔ مراسلہ نگار نے مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے حوالے سے درج ذیل تجویز پیش کی:

''ہمارے ملک میں ہیپاٹائٹس سی اور ایچ آئی وی ایڈز، جیسی مہلک بیماریاں بڑی تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ عام طور پر ایسے مرد یا خواتین جنہیں ہیپاٹائٹس سی یا ایڈز ہوتا ہے شادی کے بعد یہ بیماریاں میاں/بیوی میں منتقل کر دیتے ہیں۔ اس چیز سے محفوظ رہنے کے لیے نکاح نامے میں یہ شق شامل کر دی جائے کہ ''لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے اپنے خون کا ٹیسٹ کروائیں اور اس شق پر پابندی فریقین کے لیے لازم ہو۔''[40]

کونسل نے مذکورہ مراسلہ کو ملاحظہ کرنے کے لیے منظوری دی اور ہدایت کی کہ مناسب تیاری کے بعد اس موضوع کو ۱۷۵ ویں اجلاس مورخہ ۲۸-۲۹ ستمبر ۲۰۰۹ء میں پیش کیا جائے اور مذکورہ مسئلہ پر مشتمل ایک گروپ بنایا گیا تاکہ ان کی آراء کو ۱۷۵ ویں اجلاس میں زیر غور لایا جاسکے گروپ کے ارکان نے اس معاملے پر غور کیا تو حسب ذیل متضاد آراء سامنے آئیں۔ ڈاکٹر محسن مظفر نقوی نے رائے دی کہ نکاح سے قبل متوقع زن و شوہر کے متعلقہ ٹیسٹ کروانے چاہئیں اور مہلک و موروثی و قابل انتقال امراض جو جان لیوا ہوں ان کے حامل افراد سے شادی کی قانوناً ممانعت ہونی چاہیے۔ اگر ایسا قانون نہیں بنایا جاتا تو ایسے امراض کا علم ہونے کا اندراج نکاح نامے میں کیا جائے اور قانون بنایا جائے کہ اس میں خیار فسخ نہیں ہو گا۔ محترمہ شاہدہ اختر علی نے رائے دی کہ بیمار افراد کی شادی طبّی نقطہ نگاہ سے قانوناً منع ہونی چاہیے بشرطیکہ ازروئے شرع منع کرنے کی گنجائش ہو۔ شرعی نقطہ نگاہ علما بہتر طور پر بتا سکتے ہیں۔ مولانا ابوالفتح محمد یوسف نے رائے دی کہ مہلک بیماری اور موت تک لے جانے والے امراض کے حامل افراد سے نکاح شرعاً منع نہیں ہے اگر فریقین راضی ہوں، جہاں تک زن و شوہر کے ٹیسٹ کروانے کا مسئلہ ہے تو شریعت فریقین کو ٹیسٹ کروانے کا اختیار دیتی ہے لیکن اگر فریقین مہلک مرض کی نشاندہی کے باوجود توکلاً علی اللہ نکاح پر راضی ہوں تو انہیں منع نہیں کرنا چاہیے۔[41]

---

(38) النساء: ۱۹۔

(39) البقرۃ: ۲۲۹۔

(40) سالانہ رپورٹ ۱۰-۲۰۰۹ء، ص: ۱۶، سن اشاعت اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

(41) سالانہ رپورٹ ۱۰-۲۰۰۹ء ص: ۴۹۔

کونسل نے اپنے ۱۷۵ ویں اجلاس ۲۸-۲۹ ستمبر ۲۰۰۹ء کو زیر بحث مسئلہ سے متعلق گروپ کی آراء اور تمام تحقیقی مواد پر تفصیلی غور وخوض کیا۔ اس مسئلے پر اراکین کونسل میں اختلاف تھا۔ بعض اراکین اس حق میں تھے کہ شادی سے پہلے "خون کے ٹیسٹ اور ٹیسٹ کے نتیجے کا نکاح نامہ" میں اندراج لازمی ہونا چاہیے۔ دوسرے اراکین کا کہنا تھا کہ اس سے لوگ مزید مشقت میں پڑیں گے لہذا نکاح نامے میں اس شق کا اضافہ نہیں ہونا چاہیے۔[42] رکن مولانا محمد صدیق ہزاروی نے تحریری رائے دی کہ اس بات سے اتفاق نہیں کہ نکاح نامہ میں ان بیماریوں سے متعلق اندراج ہو یا کوئی سرٹیفکیٹ پیش کیا جائے۔ البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس سلسلہ میں ورکشاپس، سیمینار، ہیڈ بلز اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے لوگوں کی ذہن سازی کا اہتمام کیا جائے۔ مولانا عبداللہ خلجی نے اپنی تحریری رائے دی کہ وہ نکاح نامہ میں مہلک و متعدی امراض کے خون ٹیسٹ سے متعلق کسی بھی قسم کے کالم کے اضافے کے حامی نہیں ہیں کیونکہ اس سے عقد نکاح شرعی کے سہل ترین عمل میں بے جا مشکلات کا اضافہ ہونے کا خدشہ ہے۔[43] مولانا شیرانی اور مولانا فضل علی نے تحریری رائے دی کہ بہتر یہ ہے کہ رشتہ طے کرتے وقت اگر فریقین چاہیں تو خون کا ٹیسٹ کروالیں۔ ہماری رائے میں اس شق کے اضافہ کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی شق مشکلات کا سبب بنے گی۔[44] تفصیلی غور وخوض کے بعد سید سعید احمد گجراتی نے تجویز کیا کہ نکاح نامہ میں مہلک بیماریوں کے متعلق معلومات والے کالم کا اضافہ کر دیا جائے تاہم معلومات کی فراہمی اختیاری ہو اس تجویز پر بھی اتفاق رائے نہیں پایا گیا۔ لہذا فیصلہ کیا گیا کہ کثرت رائے سے اس مسئلہ کو حل کر دیا جائے۔ چنانچہ دس ممبران نے تجویز کی حمایت کی اور سات ممبران نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور موقف اپنایا کہ اس کالم کے اضافے سے بھی لوگ مشکل میں پڑیں گے جو شرعی نصوص اور شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔[45] دس اراکین نے اکثریت کی بنیاد پر حسب ذیل فیصلہ کیا:

> نکاح نامہ میں مہلک بیماریوں کے متعلق معلومات والے کالم کا اضافہ کر دیا جائے تاہم معلومات کی فراہمی اختیاری ہو۔ نیز بیماری کی وجہ سے قانوناً نکاح کی ممانعت بھی نہ ہو۔ فریقین کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ نکاح نامے میں مہلک بیماریوں کے متعلق معلومات فراہم کریں یا نہ کریں اور بیماریوں کی نشاندہی کی صورت میں وہ نکاح کریں یا نہ کریں۔ مجوزہ کالم کی عبارت حسب ذیل ہو:
>
> "کیا فریقین (دولہا اور دلہن) کسی متعدی اور مہلک بیماری میں مبتلا تو نہیں ہیں؟ کیا فریقین نے کوئی خون ٹیسٹ سرٹیفکیٹ لگایا ہے؟

---

(42) ایضاً، ص: ۱۷۔

(43) سالانہ رپورٹ ۱۰-۲۰۰۹ء، ص: ۶۴۔

(44) ایضاً، ص: ۶۶۔

(45) سالانہ رپورٹ ۱۰-۲۰۰۹ء، ص: ۱۸۔

سات اراکین نے متذکرہ بالا فیصلے سے اختلاف کیا۔"(46) مذکورہ سفارش میں کونسل نے نکاح نامہ میں مہلک بیماروں کے متعلق معلومات والے کالم کا اضافہ کرنے کی سفارش کی تاہم کونسل نے ان معلومات کو اختیاری قرار دیا اور بیماری کی صورت میں نکاح کو قانوناً منع قرار نہیں دیا۔ تاہم اس فیصلے سے کونسل کے سات اراکین نے اختلاف کیا کہ اس کالم سے لوگ مشقت میں پڑھ جائیں گے۔ راقم کی رائے میں نکاح نامہ میں طبّی معائنے کے حوالے سے ترمیم مناسب اور شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ میڈیکل ٹیسٹ کے ذریعے اُن پوشیدہ مہلک یا معذوری پر منتج ہونے والے امراض کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ یا جن سے وجود میں آنے والی اولاد مہلک امراض میں مبتلا یا معذور پیدا ہو سکتی ہے۔ شریعت نے نکاح کے سلسلے میں دھوکہ دہی کی ممانعت اور امراض کی صورت میں فسخ نکاح کا اعتبار کیا ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں:

"امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ امراض جو ایک دوسرے کو لگتے ہیں یعنی قابل انتقال ہیں مثلاً جزام و برص وغیرہ اور ان کی اولاد میں منتقل ہونے کا امکان موجود ہے وہ رشتہ زوجیت کو برقرار رکھنے میں مانع اور ایک دوسرے سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔"
(47)

علامہ قرافی مہلک امراض مثلاً جزام اور برص اور دیگر مہلک امراض میں مبتلا افراد سے نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

لایجوز نکاح مریض ولا مریضة ویفسخ ولوبعد البناء(48)

ترجمہ: مریض مرد اور عورت کا نکاح جائز نہیں ہے اور ان کی رخصتی ہو گئی ہو تو ان کا نکاح فسخ کرایا جائے گا۔

اس سلسلے میں مالکی فقیہ ابن الجلاب لکھتے ہیں:

ولایجوز لمریض ولا لمریضة أن یتزوجا حتی یصحا (49)

ترجمہ: مریض اور مریضہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ نکاح کرے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائیں۔

---

(46) ایضاً، ص: ۲۲۳۔

(47) احمد بن الحسین بن علی البیہقی، **معرفة السنن والآثار**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ)، ج۵، ص ۳۵۴۔

(48) ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس القرافی، **الذخیرة**، (بیروت: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۴ء)، ج۴، ص ۲۰۸۔

(49) ابوالقاسم عبیداللہ بن حسین بن حسن ابن الجلاب المالکی، **التفریع فی فقه الإمام مالك بن أنس**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۸ھ)، ج۱، ص ۴۰۹۔

موجودہ دور میں ایڈز اور ہیپاٹائٹس کے امراض پھیل رہے ہیں اور ان بیماریوں کی علامات جلد نمودار نہیں ہوتیں، لہٰذا امراض کی صورت میں فسخ نکاح سے بہتر ہے کہ نکاح سے پہلے متعدی امراض کا ٹیسٹ کروالیا جائے تاکہ انسانی جانیں بچ سکیں۔

۵- نکاح کی رجسٹریشن

نکاح کی رجسٹریشن کا ذکر مسلم عائلی قوانین 1961ء کی دفعہ 5 میں ہے جس کا اردو متن درج ذیل ہے:

1) قانون شریعت کے تحت عمل میں لائی گئی ہر شادی آرڈیننس ہذا کے احکامات کے مطابق رجسٹر کی جائے گی۔

2) اس آرڈیننس کے تحت شادیوں کی رجسٹریشن کی غرض سے یونین کونسل ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص کو جنہیں نکاح رجسٹرار کہا جائے گا، لائسنس جاری کرے گی لیکن کسی ایک وارڈ کے لیے کسی صورت بھی ایک سے زیادہ نکاح رجسٹرار کو لائسنس نہیں دیا جائے گا۔

3) ہر اس نکاح کی اطلاع جسے نکاح رجسٹرار کے علاوہ کسی اور شخص نے سرانجام دیا ہو اس آرڈیننس کے تحت درج رجسٹر کرنے کے لیے شخص مذکورہ کی طرف سے نکاح رجسٹرار کو دی جائے گی۔

4) ہر وہ شخص جو ذیلی دفعہ (۳) مذکورہ بالا کے احکامات کی خلاف ورزی کرے گا وہ قید محض جس کی میعاد تین ماہ ہو سکتی ہے یا جرمانہ جو ایک ہزار تک ہو سکتا ہے یا ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔

5) نکاح نامہ کا فارم نکاح رجسٹرار کے لیے رجسٹر یونین کونسل میں رکھے جانے والے ریکارڈ، بیاہ شادیوں کی رجسٹریشن کا طریق کار اور نکاح نامہ کی نقلیں متعلقہ فریقوں کو مہیا کی جائیں گی اور ان کے لیے قابل ادا فیس وہی ہوں گی جو اس غرض کے لیے مقرر کی جائیں گی۔

6) کوئی شخص مقرر فیس (اگر کوئی ہو) کی ادائیگی پر یونین کونسل کے دفتر میں ذیلی دفعہ کے تحت رکھے ہوئے ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے یا اس کے اندراج کی نقل حاصل کر سکتا ہے۔[50]

نکاح کی رجسٹریشن کی مذکورہ بالا دفعہ پر مختلف ادوار میں کونسل میں نظرثانی کی گئی جو درج ذیل ہیں:

1) اسلامی مشاورتی کونسل نے 19 اکتوبر 1964ء کو مذکورہ دفعہ پر بحث کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ نکاح کی رجسٹریشن کی دفعہ شریعت سے متصادم نہیں ہے اور یہ ایک انتظامی معاملہ ہے اور نکاح کی لازمی رجسٹریشن کے بہت فوائد ہیں۔[51]

2) بعد ازاں مذکورہ دفعہ پر کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ اسلام آباد بتاریخ 29 جنوری تا 10 فروری 1979ء زیر صدارت جسٹس محمد افضل چیمہ دوبارہ غور کیا اور حسب ذیل ترمیم تجویز کی:

"دفعہ 5 کی ذیلی دفعہ (۳) میں لفظ (reported to him by) کے بعد کی عبارت کے بجائے مندرجہ ذیل عبارت لکھی جائے "دولہا یا اس کے نمائندہ کی طرف سے" "the bridegroom or his

(50) مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء نظر ثانی اور سفارشات ص: ۱۷، سن اشاعت ۲۰۰۹ء۔

(51) دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین، ص: ۱۰۔

reprehensive"[52]

3) وزارت مذہبی امور نے تجویز دی کہ مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۵ میں نکاح رجسٹر نہ کرانے کی سزا چھ ماہ اور جرمانہ کی رقم دس ہزار مقرر کی جائے۔

کونسل نے اپنے ۱۴۴ ویں اجلاس مورخہ ۱۲-۱۴ ستمبر ۲۰۰۱ء میں وزارت مذہبی امور کی تجویز کے حوالے سے موقف دیا کہ نکاح رجسٹر نہ کرانے کی سزا ۳ ماہ ہونی چاہیے یا ۶ ماہ یہ محض ایک انتظامی مسئلہ ہے۔[53]

4) مولانا محمد خان شیرانی کے دور چیئرمین نکاح کی رجسٹریشن کی مذکورہ دفعہ کو دوبارہ غور و خوض کے لایا گیا اور کونسل نے اپنے ۱۹۴ ویں اجلاس مورخہ ۱۰-۱۱ مارچ ۲۰۱۴ء کو اس دفعہ پر بحث کی اور دفعہ ۵ پر علمائے کرام کے درج ذیل اعتراضات کو زیر غور لایا گیا:

۱. نکاح ایک شرعاً ایک ایسا عمل ہے جس کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور اس کو آسان بھی رکھا گیا ہے۔

۲. رجسٹریشن کی شرط اس عمل کو مشکل بھی بنادے گی اور ایک مطلق شرعی حکم کو مقید بھی کر دے گی۔

۳. جبر اور تعزیر کے بجائے اس رجسٹریشن کو ترغیبی حد تک رکھا جائے اور رجسٹریشن نہ کروانے والے پر کسی قسم کی سزا کا نفاذ نہ ہو۔[54]

مفتی محمد ابراہیم قادری نے رائے دی کہ دفعہ ۵ کی تمام ذیلی دفعات درست ہیں الا یہ کہ ذیلی دفعہ ۴ میں نکاح کا اندراج نہ کرانے کو تعزیری جرم قرار دینے کے بجائے نکاح رجسٹر کرانے کی محض ترغیب دی جائے کیونکہ نکاح رجسٹر نہ ہونے سے بہت سی دشواریاں آسکتی ہیں۔[55] چیئرمین مولانا شیرانی نے رائے دی کہ ایسے علاقے ہیں جو شہروں سے دور ہیں اور وہاں کے باشندے انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں ایسے شہریوں کے لیے رجسٹریشن کو ضروری قرار دینے سے مسائل و مشکلات میں اضافہ ہو گیا۔ اس پہلو سے لگتا ہے کہ رجسٹریشن اختیاری اور ترغیبی ہو اور اگر ایک دوسرے پہلو سے غور کیا جائے کہ رجسٹریشن کو اختیار کر دینے کی صورت میں جن کو یہ سہولت میسر ہے اور وہ آسانی سے رجسٹریشن کرا سکتے ہیں وہ اس سے تغافل برتیں گے لہذا لازمی اور اجباری ہی ہو تو زیادہ قرین مصلحت ہوگا۔[56] مولانا محمد حنیف جالندھری نے رائے دی کہ یہ ایک انتظامی

---

(52) دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین، ص:30۔

(53) سالانہ رپورٹ ۲۰۰۲- ۲۰۰۱ء، ص:۳۵-۳۶، سن اشاعت جولائی ۲۰۰۳ء۔

(54) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص:۱۱۳۔

(55) ایضاً، ص:۱۱۴۔

(56) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء ص:۱۱۴۔

ضرورت ہے اس لیے اس دفعہ کو اس طرح برقرار رکھا جائے۔ حافظ زبیر احمد ظہیر اور ڈاکٹر محمد ادریس سومرو نے کہا یہ دفعہ خلاف شریعت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں معاملات سے متعلق آیت ''فاکتبوہ'' نکاح کی رجسٹریشن کے عمل کو بھی متضمن ہو سکتے ہیں۔ جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے رائے دی کہ ایسا کام جو صدیوں سے نہیں تھا اور مسلمانوں کے نکاح بغیر رجسٹریشن کے ہی ہوا کرتے تھے اس کو اس انداز سے لازم کرنا کہ اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں قید کی سزا درست معلوم نہیں ہوتی۔ تاہم اگر سزا مقرر کرنی ہی ہے تو جرمانہ کی صورت میں مقرر کی جائے، قید کی صورت میں نہ کی جائے۔ فیروز جمال شاہ کاکاخیل نے رائے دی کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے مطابق یہ دفعہ احکام اسلام سے متصادم نہیں ہے اس دفعہ کو برقرار رکھنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں نقصانات کے مقابلہ میں فوائد زیادہ ہیں۔[57] درج بالا دلائل کی روشنی میں کونسل نے فیصلہ دیا۔

''دفعہ ۵ بیاہ شادیوں کا اندراج کو اس طرح برقرار رکھا جائے۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت نہیں۔''[58]

نکاح کی رجسٹریشن کے حوالے سے مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۵ کے حوالے سے کونسل کے مختلف ادوار میں غور وخوض کیا گیا۔ اسلامی مشاورتی کونسل نے نکاح کی رجسٹریشن کو مفید اور انتظامی قرار دیتے ہوئے شریعت کے مطابق قرار دیا۔ ڈاکٹر شیر محمد زمان کے دور میں کونسل نے نکاح رجسٹر نہ کروانے پر سزا کو انتظامی قرار دیا۔ مولانا محمد خان شیرانی کے دور میں کونسل نے مذکورہ قانون کی دفعہ ۵ کو قرآن وسنت کے مطابق قرار دے کر نکاح کی رجسٹریشن کی سفارش کی۔ راقم کی رائے میں نکاح شرعی طور پر بغیر رجسٹریشن کے بھی صحیح ہے مگر زمانے کی بدلتی ہوئی رفتار نے رجسٹریشن کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ نکاح کی رجسٹریشن کے کئی معاشرتی فوائد ہیں مثلاً عورت کے نفقہ وسکنی، مہر ومیراث اور بچوں کے نسب کے ضیاع کا خدشہ رجسٹریشن سے ختم ہو جاتا ہے۔ نیز سرکاری ملازم ہونے کی صورت میں حکومت کی طرف سے ملازم کی بیوی اور بچوں کو میسر آنے والے فوائد کا تحفظ ہے۔ قرآن وسنت میں نکاح کی رجسٹریشن کے حوالے سے واضح نصوص نہیں ہیں۔ تاہم قرآن پاک میں مالی معاملات میں دستاویزات بنانے کی ہدایت کی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ذکر ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾[59]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لیے آپس میں قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت، لین دین اور معاہدات و معاملات کی دستاویزات تیار

(57) ایضاً، ص:۱۱۵۔

(58) ایضاً، ص:۱۱۷۔

(59) البقرۃ: ۲۸۲۔

کرنے کی ہدایت کی ہے۔اس کی حکمت یہی ہے کہ بعد میں کوئی تنازع پیدا نہ ہو اور نہ کسی فریق کو نقصان پہنچے۔ لہٰذا اس آیت سے نکاح کی رجسٹریشن کا استشہاد کیا جا سکتا ہے۔تاکہ نکاح کی رجسٹریشن سے دونوں فریقوں کے حقوق کو قانونی تحفظ میسر ہو سکے۔ لہٰذا نکاح کی رجسٹریشن کے حوالے سے کونسل کی سفارشات انتہائی مفید اور شریعت کے مقاصد کے مطابق ہے۔

۶- جہیز و تحائف عروسی سے متعلق سفارشات

جہیز و تحائف عروسی سے متعلق مختلف ادوار میں کونسل میں غور وخوض کر کے سفارشات کی گئیں۔ جسٹس تنزیل الرحمٰن کے دور مسند نشینی میں کونسل کے اجلاس ۱۳ر فروری ۱۹۸۳ء میں جہیز و تحائف دلہن (پابندی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کی درج ذیل دفعات کو زیر بحث لایا گیا:

''قانون ہذا کی دفعہ ۳ کے تحت ۵ ہزار سے زائد جہیز اور تحائف دلہن پر پابندی عائد کی گئی اس طرح دفعہ ۴ کے تحت کوئی شخص نکاح پر کسی فریق کو ایسا تحفہ نہیں دے گا جس کی مالیت ایک سو سے زائد ہو۔ دفعہ ۸ کے تحت جہیز وغیرہ کی فہرست رجسٹرار کو مہیا کرنے کا لزوم ہے۔ دفعہ ۶ کے تحت شادی کے اخراجات ۵ سو سے تجاوز کرنے کی پابندی ہے۔''[(60)]

چیئرمین کونسل جسٹس تنزیل الرحمٰن نے اپنی تحریری رائے دی کہ یہ پورا قانون اپنے عملی اطلاق میں حکومت کی جگ ہنسائی کا موجب ہے، ایسی شادیوں کی تعداد ان گنت ہے جہاں خود حکومت کے اعلیٰ افسر موجود ہوتے ہیں اور وہ خود اپنی آنکھوں سے اس امر کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا ایسی شادیوں پر اڑھائی ہزار روپے خرچ کیے گئے ہیں یا جہیز صرف پانچ ہزار کا دیا گیا ہے۔ اس قانون کا بجائے فائدہ ہونے کے الٹا یہ نقصان ہو رہا ہے کہ والدین معاشرتی دباؤ کے تحت اپنی بچیوں کو پانچ ہزار سے کئی گنا زائد جہیز دیتے ہیں لیکن جو فہرست رجسٹرار کو دی جاتی ہے اس میں صرف پانچ ہزار روپے کی مالیت کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ قانون کونسل کی نگاہ میں غیر حقیقت پسندانہ ہے اس لیے کونسل اس قانون کو منسوخ کرنے کی سفارش کرتی ہے، ہاں اگر حکومت اور اس کے ارکان اپنے اس قانون پر خود بھی عمل درآمد کر سکتے ہوں اور دوسروں سے بھی کرا سکتے ہوں تو پھر شاید اس قانون کے جاری رہنے کی گنجائش نکل آئے۔[(61)] رکن ڈاکٹر مسز خاور خان چشتی صاحبہ نے رائے دی کہ ''جہیز کا مسئلہ والدین کی صوابدید اور استطاعت پر دیا جانا چاہیے، چونکہ ہر شخص اپنے حالات اور استطاعت کے مطابق اپنی بیٹیوں کو جہیز دیتا ہے، اس پر پابندی لگانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا جس نے جو کچھ دینا ہوتا ہے وہ تو دے کر ہی رہتا ہے، خواہ کتنی ہی پابندیاں عائد کر دی جائیں، پابندیوں کی صورت میں چور دروازے دیئے جاتے ہیں، لہٰذا یہ قانون بے اثر ہے

(60) دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین، ص: ۷۰۔

(61) ایضاً، ص: ۷۰-۷۱۔

اور اسے منسوخ کیا جائے۔[62] چنانچہ کونسل میں خاصی بحث و تمحیص کے ارکان کی اکثریت نے چیئرمین کونسل اور ڈاکٹر مسز خاور خان چشتی کی تجویز سے اتفاق کیا اور مذکورہ بالا تجویز کو بطور سفارش منظور کر لیا۔[63] مذکورہ سفارش میں جہیز کو والدین کی استطاعت پر چھوڑ دیا گیا اور مذکورہ قانون کو منسوخ کرنے کی سفارش کی۔

ڈاکٹر شیر زمان کے دور مسند نشینی میں سینیٹ میں پیش کیا گیا، جہیز شادی بیاہ کے تحائف پر پابندی عائد کرنے کا بل ۱۹۹۹ء کے حوالے سے کونسل نے از خود نوٹس لیتے ہوئے اپنے ۱۳۷ویں اجلاس مؤرخہ ۱۹ تا ۲۱ جون ۱۹۹۹ء میں شق وار غور کیا۔[64] سینیٹ کے بل پر غور و خوض کے بعد محسوس کیا گیا کہ زیر غور بل کا جو اردو ترجمہ موصول ہوا وہ کئی مقامات پر نہ صرف ناقص بلکہ بدیہی طور پر غلط ہے۔ اس بل پر شق وار غور کے بعد مندرجہ ذیل دفعات میں ترامیم منظور کی گئیں۔

دفعہ نمبر ۳: جہیز پر پابندی

کوئی بھی شخص شادی یا رخصتی کے وقت دلہن یا کسی بھی زیر کفالت لڑکی کو ۲۰ ہزار روپے کی مالیت سے زائد کا جہیز نہ دے گا۔[65]

غور و خوض کے بعد اس دفعہ میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی البتہ چیئرمین کونسل کی اس تجویز کے ساتھ اتفاق کیا گیا کہ اس کے انگریزی ڈرافٹ میں جہیز کے مستعمل لفظ Downy کے آگے قوسین میں لفظ جہیز بھی لکھ دیا جائے۔[66]

دفعہ نمبر ۴: دلہن کے تحائف پر پابندی

کوئی بھی شخص یا دلہا کے والدین شادی کے موقع پر دلہن کو ۲۰ ہزار روپے کی مالیت سے زائد کے زیورات، تحائف، کپڑے یا دیگر جائیداد نہیں دیں گے مگر اس میں حق مہر شامل نہ ہوگا۔[67]

اس دفعہ پر غور و خوض کے بعد طے ہوا کہ اس کے ابتدائی الفاظ ''کوئی بھی شخص یا'' کو حذف کیا جائے۔ نیز کونسل نے ڈاکٹر محمود احمد غازی کی اس تجویز سے بھی اتفاق کیا کہ اس دفعہ کے الفاظ ''زیورات، تحائف، کپڑے یا دیگر جائیداد'' کے بعد قوسین میں لفظ ''بری'' کا اضافہ کیا جائے کیونکہ دلہن کو شادی کے موقع پر جو تحائف

---

(62) دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین، ص: ۱۷۔
(63) ایضاً، ص: ۱۷۔
(64) سالانہ رپورٹ ۹۹-۱۹۹۸، ص: ۴۷۔
(65) ایضاً، ص: ۴۸۔
(66) ایضاً، ص: ۴۸۔
(67) سالانہ رپورٹ ۹۹-۱۹۹۸، ص: ۴۷۔

دیئے جاتے ہیں انہیں بری کہتے ہیں۔ (68)

دفعہ نمبر ٦ : (شق نمبر ٢)

صدر، وزیر اعظم، وفاقی وزیر، وزیر اعلیٰ، وزیر مملکت، سفیر، گورنر، قومی اسمبلی کا سپیکر سینیٹ کا چیئر مین یا ڈپٹی چیئر مین، پارلیمانی سیکرٹری، رکن پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی، تنخواہ کے اسکیل ۱۷ اور بالائی سکیلوں کا سرکاری ملازم یا کسی کارپوریشن، صنعت یا اسٹیبلشمنٹ میں ملازم جس کا انتظام وانصرام حکومت کے پاس ہو، اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی میں کوئی تحفہ وصول نہیں کرے گا، ماسوائے اس کے رشتہ داروں، خاندان کی طرف سے۔ (69)

اس شق پر غور وخوض کے بعد کونسل نے تجویز کیا کہ اس کے آخری الفاظ ''ماسوائے اس کے رشتہ دار خاندان کی طرف سے'' کو حذف کیا جائے اور آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے ''جس کی مالیت ایک ہزار روپے سے زیادہ نہ ہو۔'' علاوہ ازیں کونسل نے اس دفعہ میں مندرجہ ذیل ایک تیسری کے اضافے کی تجویز پیش کی:

شق نمبر ٣: جہیز اور بری کی نمائش ممنوع اور قابل تعزیر جرم ہوگا اور ایسی شادی میں شریک ہونے والے اہل منصب کو ان کے منصب سے برخاست کیا جائے گا۔ (70)

درج بالا بل پر بحث کی روشنی میں کونسل نے جہیز اور تحائف عروسی کے حوالے سے ۲۰ ہزار سے زائد جہیز نہ دینے، دلہا کے والدین کا دلہن کو ۲۰ ہزار کی مالیت سے زیادہ بری کے نہ دینے، حکومتی اشخاص کا اپنے بیٹے/بیٹی کی شادی پر ایک ہزار روپے سے زیادہ تحفہ وصول نہ کرنے اور جہیز اور بری کی نمائش کی ممانعت اور قابل تعزیر جرم کی سفارشات کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور مسند نشینی میں کونسل نے اپنے ۱۶۸ ویں اجلاس میں شادی بیاہ کی رسومات سے متعلق اخباری تراشوں پر غور کرتے ہوئے جہیز کے متعلق درج ذیل سفارش کی:

جہیز چونکہ سوسائٹی کا رواج ہے لہٰذا رواج کے خلاف کوئی قانون سازی نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، جہیز سے متعلق قانون سازی کرنے سے صرف پولیس کے لیے رشوت کا دروازہ کھلے گا۔ (71)

مذکورہ سفارش میں کونسل نے اپنے سے سابق کونسل سے اختلاف کرتے ہوئے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی کونسل کے فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے جہیز کو رواج قرار دیتے ہوئے معاشرے کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

---

(68) ایضاً، ص: ۴۹۔

(69) ایضاً، ص: ۴۹۔

(70) ایضاً، ص: ۴۹-۵۰۔

(71) سالانہ رپورٹ ۰۸-۲۰۰۷ء، ص: ۸۷۔

جہیز و تحائف عروسی کے حوالے سے کونسل نے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر شیر محمد زمان اور ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں سفارشات مرتب کیں، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کے دور میں کونسل نے جہیز کو والدین کی استطاعت پر چھوڑنے کی سفارش کی اور جہیز و تحائف دلہن (پابندی) ایکٹ ۱۹۷۶ء کو ختم کرنے کی سفارش کی کیونکہ یہ ناقابل عمل قانون ہے۔ جبکہ ڈاکٹر شیر محمد زمان کے دور میں کونسل نے سابقہ کونسل سے اختلاف کرتے ہوئے جہیز اور تحائف عروسی کے حوالے سے ۲۰ ہزار سے زائد جہیز نہ دینے، دلہا کے والدین کا دلہن کو ۲۰ ہزار کی مالیت سے زیادہ بری کے نہ دینے، حکومتی اشخاص کا اپنے بیٹے/بیٹی کی شادی پر ایک ہزار سے زیادہ تحفہ وصول نہ کرنے اور جہیز اور بری کی نمائش کی ممانعت اور اس عمل کو قابل تعزیر جرم قرار دینے کی سفارشات کیں جبکہ ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں کونسل نے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن دور کونسل کے فیصلے سے اتفاق کرتے ہوئے جہیز کو رواج قرار دیتے ہوئے معاشرے کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ راقم کی رائے میں جہیز کے حوالے سے ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور کونسل کی سفارشات مناسب ہیں کہ جہیز کو معاشرے کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ جہیز ایک رواج ہے اور رواج وقت کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے لہٰذا اس سلسلے میں قانون سازی مناسب نہیں۔

جہیز کے حوالے سے مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"سامان جہیز جو والدین اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اس کا مدار دراصل عرف اور اشیاء کی نوعیت پر ہے۔"[72]

السید سابق بھی جہیز کو عرف قرار دیتے ہیں:

وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس [73]

یہ صرف ایک عرف ہے جو لوگوں میں جاری ہے۔

البتہ بری اور جہیز کی نمائش کی ممانعت اور اس کو قابل تعزیر قرار دینے کے حوالے سے ڈاکٹر شیر محمد زمان کے دور کونسل کی سفارش مناسب ہے۔ اس سے صاحب استطاعت اور سفید پوش اور غریب والدین کا بھرم بھی قائم رہے گا کہ وہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اپنی بیٹوں کو جہیز اور بہوؤں کو بری دے سکیں۔

۷- تعدد ازدواج کے حوالے سے مسلم عائلی قوانین میں ترامیم

تعدد ازدواج سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل نے مختلف ادوار میں مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۶ پر غور وخوض کر کے سفارشات مرتب کی ہیں، مذکرہ قانون کی دفعہ ۶ تعدد ازدواج کا اردو متن

(72) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، **اشرف الاحکام**، (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۴۲۴ھ)، ص ۱۵۹۔

(73) سید سابق، **فقه السنة**، (جدہ: شرکة دار القبلة للثقافة الاسلامية)، ج ۲، ص ۳۰۲۔

درج ذیل ہے:

دفعہ ۶: تعدد ازدواج

۱) کوئی شادی شدہ شخص اس آرڈیننس کے تحت ثالثی کونسل سے پیشگی تحریری اجازت لیے بغیر دوسری شادی نہیں کرے گا اور نہ ہی مذکورہ منظوری حاصل کیے بغیر کی ہوئی کسی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹر کیا جائے گا۔

۲) ذیلی دفعہ (۱) کے تحت اجازت حاصل کرنے کے لیے درخواست مجوزہ طریق کار کے مطابق اور مقررہ فیس کے ہمراہ چیئرمین کو دی جائے گی اور اس میں مجوزہ شادی کی وجوہات بیان ہوں گی اور یہ کہ آیا اس کے لیے موجودہ بیوی یا بیویوں کی رضامندی حاصل کرلی گئی ہے۔

۳) ذیلی دفعہ (۲) کے تحت درخواست موصول ہونے پر چیئرمین درخواست دہندہ اور اس کی بیوی یا بیویوں سے کہے گا کہ ہر ایک اپنا نمائندہ نامزد کرے اور اس طرح تشکیل شدہ ثالثی کونسل اگر مطمئن ہو کہ مجوزہ شادی ضروری اور منصفانہ ہے تو وہ ایسی شرائط کے تحت جنہیں وہ مناسب خیال کرے مطلوبہ منظوری دے سکتا ہے۔

۴) درخواست کے فیصلے میں ثالثی کونسل اپنے فیصلے کی وجوہات قلمبند کرے گی اور کوئی بھی فریق مجوزہ طریق کار کے مطابق اور مقررہ مدت کے اندر اور مقررہ فیس کی ادائیگی پر نگرانی کی درخواست [متعلقہ کلکٹر کو] پیش کر سکتا ہے، اس کا فیصلہ قطعی ہوگا اور اس کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکے گی۔

۵) جو شخص ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرے گا وہ:

أ. مہر کی تمام واجب الادا رقم موجودہ بیوی یا بیویوں کو ادا کرے گا خواہ وہ معجل ہو یا مؤجل جو عدم ادائیگی کی صورت میں بطور بقایا جات مالیہ وصولی کی جاسکے گی۔

ب. شکایت پر اثبات جرم کی صورت میں قید محض جس کی میعاد ایک سال تک ہوسکتی ہے یا جرمانہ جو پانچ ہزار روپے تک ہوسکتا ہے ہر دو سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔(74)

مسلم عائلی قوانین کی مذکورہ دفعہ ۶ پر سب سے پہلے غور اسلامی مشاورتی کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو کیا جس کی صدارت علامہ علاؤ الدین صدیقی نے کی۔ رکن مولانا عبد الحمید بدایونی نے رائے دی کہ شریعت مطہرہ نے شوہر کو حق دی ہے کہ وہ عقد ثانی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے ساتھ عدل کرسکے، شوہر جس وقت عقد کرنا چاہے قاضی شرع کے سامنے ثبوت پیش کرے کہ میں پہلی بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق ادا کرنے کا اہل ہوں، قاضی جب یہ ثبوت حاصل کرے تو عقد ثانی کی اجازت ہے، اگر ثبوت حاصل نہ ہوسکے تو عقد ثانی کا مجاز نہ ہوگا۔(75) مشاورتی کونسل نے بحث و تمحیص کے بعد مذکورہ قانون میں درج ذیل ترامیم تجویز کیں:

۱. دفعہ کے ابتدائیہ کی منفی صورت کو مثبت سے بدل دیا جائے؛
۲. پہلی بیوی کی اجازت کی شرط کو حذف کردیا جائے؛

---

(74) رپورٹ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء، نظر ثانی سفارشات، ص:۱۷۔

(75) دسویں رپورٹ مسلم عائلی قوانین، ص:۱۷۔

۳. دوسری شادی کا درخواست گزار ایک عہد نامہ جمع کروائے گا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ عدل کرنے کا متحمل ہے؛

۴. عدالتی چارہ جوئی صرف متاثرہ بیویوں کی شکایت پر شروع کی جائے گی۔(76)

تعدد ازدواج کے حوالے سے مسلم عائلی قانون کی دفعہ ۶ پر کونسل کے اجلاس منعقدہ مؤرخہ ۲۹؍ جنوری تا ۱۹؍ فروری ۱۹۷۹ء میں دوبارہ غور وخوض کیا گیا، اجلاس کی صدارت جسٹس محمد افضل چیمہ نے کی۔(77) اجلاس میں مذکورہ قانون کی دفعہ ۶ کو حذف کر کے مندرجہ ذیل دفعہ لکھنے کی سفارش کی گئی:

۱. جو شخص اپنا موجودہ نکاح برقرار رکھتے ہوئے کوئی دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہوگا کہ متعلقہ سول جج کو مجوزہ نکاح کی اجازت کے لیے درخواست دے۔

۲. سول جج درخواست دہندہ کی درخواست کو صرف اس صورت میں مسترد کر سکے گا جبکہ وہ ضروری تحقیق وتفتیش کے بعد اس بات پر مطمئن ہو کہ:

أ. درخواست دہندہ مالی طور پر اس لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی موجودہ بیوی یا بیویوں کے ساتھ مجوزہ بیوی کے ضروری اخراجات مکمل مساوات کے ساتھ مناسب طور پر برداشت کر سکے۔

ب. درخواست دہندہ کے بارے میں اس کے ماضی کے حالات عام کردار اور اخلاقی معیار کے لحاظ سے اس بات کا گمان غالب ہے کہ وہ ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل ومساوات نہیں رکھ سکتا اور اس کی طرف سے بے انصافی کا معقول خطرہ موجود ہے۔

ج. درخواست دہندہ نے اس عورت سے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے یہ بات پوشیدہ رکھی ہے کہ اس کی کوئی بیوی موجود ہے۔

۳. جو مسلمان شخص سول جج سے اجازت حاصل کیے بغیر ایک نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرے گا وہ قید محض کی سزا کا مستوجب ہوگا جو ایک سال تک ہو سکتی ہے۔

۴. جو شخص بھی ایک سے زائد بیویوں کے درمیان ناانصافی یا عدم مساوات کا مرتکب ہوگا اسے قید محض کی سزا دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے۔ نیز عدالت اپنی صوابدید پر عدل ومساوات قائم کرنے کے لیے احکام صادر کرے گی۔(78)

کونسل کی مذکورہ سفارش میں دوسری شادی کے لیے بیوی کی اجازت کے بجائے سول جج کی اجازت سے مشروط کیا گیا نیز عدل وانصاف اور خفیہ شادی سے متعلق جج کے اطمینان اور خلاف ورزی پر قید کی سزا کے نکات قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر شیر زمان کے دور مسند نشینی میں مسلم عائلی قوانین کی دفعات پر دوبارہ غور وخوض کیا گیا اور مذکورہ قانون کی دفعہ ۶ میں درج ذیل ترمیم تجویز کی گئی:

''ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں کی موجودگی میں جو شخص ایک اور نکاح کرنا چاہے وہ عدالت کے روبرو اقرار صالح کرے گا اور

---

(76) ایضاً، ص: ۱۷۔

(77) ایضاً، ص: ۲۹۔

(78) دسویں رپورٹ، مسلم عائلی قوانین، ص: ۳۰۔

یہ یقین دہانی کرائے گا کہ وہ نان و نفقہ عدل شرعی اور عدل بین الاقوامی جس کو فقہی اصطلاح میں "قسم" کہا جاتا ہے، کے تقاضوں کی پابندی کرے گا اور اس کا اہل بھی ہے۔"(79)

ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور مسند نشینی میں مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کو دوبارہ زیر غور لایا گیا اور تعدد ازدواج کے سلسلے میں مذکورہ قانون کی دفعہ ۷ کے متعلق درج ذیل فیصلہ کیا گیا:

تعدد ازدواج کے موجودہ قانون کے تحت بیان کردہ شرائط میں کوئی چیز قرآن وسنت کے خلاف نہیں ہے۔(80)

مذکورہ سفارش میں کونسل نے مذکورہ قانون کی دفعہ ۷ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مولانا محمد خان شیرانی کے دور مسند نشینی میں مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کو دوبارہ زیر غور لایا گیا اور تعدد ازدواج کے سلسلے میں مذکورہ قانون کی دفعہ کو کونسل کے ۱۹۹ویں اجلاس میں زیر بحث لایا گیا۔

رکن علامہ سید افتخار حسین نقوی نے رائے دی کہ سورۃ النساء کی آیت ۳ واضح کرتی ہے کہ تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں ہے محض عدل شریعت کا تقاضا ہے، شادی بغیر اجازت کر لینے پر دفعہ ہذا میں جو سزا درج ہے وہ صریحاً قرآن وسنت کے خلاف ہے۔(81) مولانا فضل علی نے تحریری رائے دی کہ سابقہ کونسل کی سفارش جس میں دوسری شادی کو سول جج سے مشروط کیا گیا ہے، میں اور عائلی قانون میں صرف الفاظ کا فرق ہے، لہٰذا عائلی قانون اور سابقہ سفارش دونوں کو مسترد کیا جائے، اور آیت کریمہ کے اطلاق کو مقید نہ کیا جائے اور تعدد ازدواج کو جرم شمار کر کے اس پر سزا مقرر نہ ہو۔(82) رکن علامہ محمد یوسف اعوان نے رائے دی کہ جب نص قطعی سے ثابت ہے تو پھر دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے یا کسی جج سے اجازت لینا یہ غیر اسلامی و غیر شرعی ہے لہٰذا اسے حذف کر دینا چاہیے۔(83)

مفتی محمد ابراہیم قادری نے رائے دی کہ شرعی نصوص کی رو سے آرڈیننس کی تعداد ازدواج سے متعلق بنیادی دفعہ ۶ اور اس کی ذیلی دفعات ساری کی ساری غیر معقول اور غیر اسلامی ہیں لہٰذا اس دفعہ کو مسترد کر دینا چاہیے۔(84)

ان آراء کی روشنی میں کونسل نے بالاتفاق قوانین کی دفعہ ۶ تعدد ازدواج کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوئے حذف کرنے کی سفارش کی نیز کونسل کی سابقہ سفارش کو بھی مسترد کیا(85) اور درج ذیل فیصلہ دیا:

---

(79) سالانہ رپورٹ ۰۳-۲۰۰۲، ص:۸۵۔

(80) سالانہ رپورٹ ۰۹-۲۰۰۸ء، ص:۱۶۸۔

(81) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳ء، ص:۱۱۷۔

(82) ایضاً، ص:۱۱۸۔

(83) سالانہ رپورٹ ۱۴-۲۰۱۳، ص:۱۱۹۔

(84) ایضاً، ص:۱۱۹۔

(85) ایضاً، ص:۱۲۲۔

۱. عائلی قوانین کی دفعہ ۶ تعدد ازدواج نہ صرف اسلامی احکام کے خلاف ہے بلکہ بیش بہا قانونی خرابیوں پر مبنی ہے، قرآن مجید کی آیات کریمہ، نبی اکرمؐ کی احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک سے زائد چار تک بیویوں کو نکاح میں رکھنا جائز ہے، نکاح کے شرعی یا قانونی انعقاد کے لیے شوہر کو ثالثی کونسل، سول جج یا پہلی بیوی سے اجازت لیناضروری نہیں۔

۲. نکاح ایک شرعی عمل ہے اور انبیاء کی سنت ہے ہمارے پیارے نبیؐ نے خود ایک سے زائد شادیاں کی تھیں، صحابہ کرام اور آج تک کے علماے امت میں متعدد مقدس ہستیوں نے اس سنت کو عملی طور پر اپنایا ہے لہٰذا دوسرے نکاح کو جرم بنا کر نکاح کرنے والے کو سزا دینا نہایت نامناسب اور اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

۳. شرعی تعلیمات کے مطابق میاں بیوی پر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنا لازم ہے، شوہر کا شرعی و اخلاق فرض ہے کہ وہ ان تمام حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کرے جو شوہر ہونے کے ناطے شریعت نے اس پر لازم قرار دیئے ہیں خواہ اس کی ایک بیوی ہو یا ایک سے زائد بیویاں ہوں، اگر شوہر ایک سے زائد بیویوں کے درمیان اختیاری امور اور حقوق میں عدل نہ کر سکتا ہو تو ایک بیوی پر اکتفا کرے۔ اگر شوہر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہو تو بیوی/بیویوں کے حقوق کا مطالبہ کرنے اور عدالتی چارہ جوئی کا راستہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ کونسل سمجھتی ہے کہ عائلی قانون کی دفعہ ۶ ایک ایسے قانون پر مبنی ہے جو اس وقت ختم ہو چکا ہے اور اس میں دیگر کئی قانونی خرابیاں موجود ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کی پامالی کا باعث بن سکتی ہے، یہ دفعہ بیک وقت شوہر بیوی اور بچوں کو کئی ایک شرعی و قانونی حقوق سے محروم کر سکتی ہے لہٰذا اس دفعہ کو حذف کر دیا جائے۔(86)

تعدد ازدواج کے حوالے سے علامہ علاؤالدین صدیقی، جسٹس محمد افضل چیمہ، ڈاکٹر شیر محمد زمان، ڈاکٹر محمد خالد مسعود اور مولانا محمد خان شیرانی کے دور کونسل میں مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۷ تعدد ازدواج میں ترامیم کی گئیں۔ علامہ علاؤالدین کے دور کونسل میں کونسل نے پہلی بیوی کی اجازت کو حذف کرنے اور دوسری شادی کے درخواست گزار کو بیوی بچوں کے ساتھ عدل کے متحمل ہونے کا عہد نامہ جمع کروانے کی سفارش کی جبکہ جسٹس محمد افضل چیمہ کے دور کونسل میں دوسری شادی کے لیے سول جج کی اجازت سے مشروط کیا گیا نیز عدل وانصاف اور خفیہ شادی سے متعلق جج کے اطمینان اور مذکورہ نکات پر خلاف ورزی پر دو سال کی قید کی سزا کی سفارشات کیں۔ ڈاکٹر شیر محمد زمان کے دور کونسل میں دوسری شادی کے حوالے سے عدالت کے روبرو نان ونفقہ اور عدل شرعی کے اقرار کی سفارش کی گئی۔ ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں کونسل نے پچھلی کونسلوں سے اختلاف کرتے ہوئے مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۷ کو درست قرار دیا جس کے مطابق دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہے۔ مولانا محمد خان شیرانی کے دور میں کونسل نے پچھلی تمام کونسلوں سے اختلاف کرتے ہوئے دفعہ ۷ کی تمام دفعات کو خلاف شریعت قرار دیا۔ نیز قرار دیا کہ پہلی بیوی یا سول جج سے دوسری شادی کی اجازت لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔

---

(86) ایضاً، ص: ۱۷۷-۱۷۸۔

راقم کی میری رائے میں جسٹس محمد افضل چیمہ کے دور کونسل کی سفارش مناسب ہے کیونکہ اس طرح کوئی بھی شخص ضرورت کے تحت دوسری شادی کر سکے گا اور پہلی بیوی اور بچوں کے حقوق کا تحفظ ہو گا۔ اسلام میں تعدد ازدواج عدل کی شرط کے ساتھ جائز ہے اور عدل تبھی ممکن ہے کہ کسی بھی شخص کی پہلی بیوی اور بچوں کے نان و نفقہ اور عدل کے حقوق محفوظ ہوں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً[87] ترجمہ: ''اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔''

اس سلسلے میں علامہ ابن الھمام رائے دیتے ہیں:

فاستفدنا أن حل الأربع مقيد بعدم خوف عدم العدل وثبوت المنع عن أكثر من واحدة عن خوفه[88]

چار شادیوں کی اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہے اور ناانصافی کے خوف کی صورت میں ایک شادی سے زیادہ روکنا ثابت ہے۔

نتائج و خلاصہ بحث

1. پاکستان کے رائج الوقت قوانین مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء اور قانون پابندی صغار ۱۹۲۹ کے مطابق نا بالغ بچہ/بچی کا نکاح ممنوع ہے اور نکاح کے لیے لڑکے کی عمر کم از کم ۱۸ سال اور لڑکی عمر ۱۶ سال قرار دی گئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے مختلف ادوار میں رائج الوقت قوانین پر نظر ثانی کرتے ہوئے مختلف سفارشات مرتب کیں۔ کونسل نے نکاح کے لیے شرعی بلوغت کو معیار ٹھہرایا البتہ رائج الوقت قانون کے مطابق عمر نہ ہونے کی صورت میں بلدیاتی کونسل کے چیئرمین کی اجازت کو مشروط قرار دیا گیا۔
2. مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۱۰ کے مطابق حق مہر کی ادائیگی کے سلسلہ میں اگر نکاح نامہ یا معاہدہ شادی میں کوئی تفصیل موجود نہ ہو تو حق مہر کی کل رقم کے بارے میں تصور ہو گا کہ وہ عند المطالبہ قابل ادا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے مذکورہ دفعہ کو شریعت کے مطابق قرار دیا۔ اس نے اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں موجود دلائل کو سامنے رکھا جس میں ایک کے مطابق تعجیل و تاجیل

---

(87) النساء: ۴:۳

(88) کمال الدین عبد الواحد بن الھمام، **فتح القدير شرح الهداية**، (مکہ مکرمہ: المکتبۃ التجاریہ، سن اشاعت ندارد)، ج ۳، ص ۴۳۲۔

سے متعلق خاموشی کی صورت میں حکم معجل ہو گا۔ جبکہ دوسرے دلائل کے مطابق مذکورہ صورت میں عرف کا اعتبار ہو گا۔ لہذا کونسل کے مطابق مہر میں تعجیل وتاجیل سے متعلق خاموشی کی صورت کا حکم عند الطلب ادائیگی کا ہو گا۔

3. فیملی کورٹس ۱۹۹۴ء کی دفعہ ۱۰ کے تحت اگر زوجین میں مصالحت ناکام ہو جائے تو عائلی عدالت تنسیخ نکاح کے دعوی میں فی الفور تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرے گی اور بیوی کی طرف سے نکاح کے موقع پر نکاح کے بدل میں وصول کی گیا حق مہر بھی خاوند کو واپس دلائے گی۔ اس پر لاء کمیٹی نے یہ فیصلہ دیا کہ مہر عورت کا حق ہے اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تاہم عدالت اگر چاہیے تو تحائف اور فوائد کے سلسلہ میں مصالحت کرا سکتی ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بحث کے بعد لاء کمیٹی کے فیصلہ سے اتفاق کیا۔

۴. مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کے حوالہ سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ملک میں ہیپاٹائٹس اور ایچ آئی وی ایڈز جیسی مہلک بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لیے نکاح نامہ میں ایک شق یہ شامل کی جائے کہ لڑکا اور لڑکی شادی سے پہلے اپنے خون کا ٹیسٹ کرائیں اور اس شق پر پابندی فریقین کے لیے لازم ہو۔ کونسل کے اجلاس میں مہلک بیماریوں سے متعلق معلوماتی کالم کے اضافہ کی سفارش کی گئی۔ تاہم ان معلومات کو اختیاری قرار دیا گیا۔ اور بیماری کی صورت میں نکاح کو قانوناً منع قرار نہیں دیا گیا۔

۵. کونسل کے تمام ادوار میں نکاح کی رجسٹریشن کے حوالے سے مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۵ کو شریعت کے مطابق قرار دیا گیا۔

۶. ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں کونسل نے جہیز کو رواج قرار دے کر جہیز و تحائف دلہن ایکٹ ۱۹۷۶ء کو ختم کرنے کی سفارش کی جبکہ ڈاکٹر ایس ایم زمان کے دور میں جہیز و تحائف دلہن ایکٹ ۱۹۷۶ء میں ضروری ترامیم پیش کی گئیں۔

۷. تعدد ازدواج کے حوالے سے ڈاکٹر محمد خالد مسعود کے دور میں کونسل نے تعدد ازدواج سے متعلق مسلم عائلی قوانین کی دفعہ ۶ کو درست قرار دیا جبکہ مولانا محمد خان شیرانی کے دور میں کونسل نے مذکورہ دفعہ کو خلاف اسلام قرار دیا۔

☆☆☆